ٹھوڑی تارا ماتھے چاند
پبلشرز - کتب خانہ علم و ادب - دہلی

بسلسلۂ مطبوعات کتب خانہ علم و ادب دہلی

ٹھوڑی تارا آتش خانہ

از:-

جناب اشرف صاحب صبوحی (منشی فاضل)

ناشر:-

سید وصی اشرف مالک کتبخانہ علم و ادب اردو بازار دہلی

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

قیمت دو آنے (۲؍)

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

۲

ٹھوڑی تارا ماتھے چاند

ایک بادشاہ تھا اس کی چھ بیویاں تھیں۔ مگر خدائی شان اولاد ایک سے بھی نہ تھی۔ تخت کا وارث نہ ہونے سے بادشاہ کو بڑا فکر ہوا۔ اور اسی غم میں اس کا جی دُنیا سے اکتا گیا۔ وزیروں نے یہ حال دیکھ کر آپس میں صلاح کی اور ایک دن اکیلے میں عرض کیا کہ حضور اتنے پریشان نہ ہوں۔ اللہ پر بھروسہ کر کے ایک شادی اور کریں کیا عجب ہے کہ اس کی تقدیر سے سلطنت کا چراغ روشن ہو جائے۔ مشورہ نیک تھا بادشاہ راضی ہو گئے۔ اور ساتویں شادی کے لئے لڑکی تلاش ہونے لگی۔

شہر میں کوئی بڑھیا تھی بڑی زدہ حال۔ زمانہ کی ستائی۔ دن بھر چرخہ پونی کرتی تو کہیں روکھی سوکھی روٹی میسر آتی۔ کماؤ سب مر گئے تھے۔ فقط ایک نواسی تھی جسے وہ اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتی لڑکی اللہ کی قدرت کا نمونہ تھا۔ ایسی خوبصورت کہ ہزاروں میں ایک۔ جوں جوں بڑی ہوتی گئی اس کے حسن کی دھوم مچتی گئی۔ بڑے بڑے امیروں کی بیٹیاں اس سے ملنے کی آرزو کرتیں۔ اپنی سہیلی

بنانا چاہتیں۔ لیکن بڑھیا کہیں نہ جانے دیتی۔ اور کہتی رہتی کہ "بیٹی! جھونپڑے میں رہ کر محلوں کا خواب نہیں دیکھا کرتے۔ غریبی اور امیری کا جوڑ نہیں "۔ مگر بچپن پھر بچپن ہوتا ہے۔ نہ کوئی بہن تھی نہ بھائی جس سے کھیلتی دل بہلاتی۔ پڑوس میں تین اچھے گھر تھے۔ ایک چھوٹے وزیر کا۔ ایک درباری سوداگر کا اور ایک شاہی رکاول کا۔ ان کی بیٹیاں کبھی کبھی اسے بلا لیتیں اور آپس میں مل کر گڑیاں کھیلتیں۔ باتیں کرتیں۔ پاس ہی بادشاہ کا باغ تھا۔ گھر میں جی گھبراتا تو وزیر زادی اپنی تینوں سہیلیوں کو ساتھ لے کر باغ میں جا بیٹھتی۔ پردہ ہو جاتا۔ اور یہ چاروں وہاں کدکڑے لگاتی پھرتیں۔

ایک روز شام کا وقت تھا۔ چاروں سہیلیاں باغ میں گئیں اور کھیلتے کودتے ایک طرف گھاس کے ہرے ہرے فرش پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ باتوں باتوں میں وزیر زادی نے کہا "بوا! مجھ پر اُجلے پیر کا سایہ ہے۔ میرے بدن پر نہ کوئی کپڑا میلا ہوتا ہے نہ پُرانا ہوتا ہے۔ میری جس سے شادی ہوگی وہ نہال ہو جائیگا"۔ سوداگر بچی بولی "میں کوئی رَدیا خود یا نہیں۔ مجھے بھی فقیر کی دُعا ہے میں جس موتی کو ہاتھ لگا دوں۔ کالا ہو تو سفید ہو جائے۔ مجھ سے بیاہ کرنے والا کبھی غریب نہیں رہ سکتا"۔ باورچی کی بیٹی کہنے لگی "اور تم نے مجھ کو کیا سمجھا ہے۔ میرا کمال بھی

سُنا۔ میں ایک دفعہ جو کھانا پکاوں گی وہ نہ کم ہوگا نہ خراب۔ کتنے ہی آدمی کھائیں اس میں مجال ہے کہ کمی آئے"۔ غریب بُڑھیا کی نواسی کا نمبر آیا تو وہ بیچاری ایک ایک کا مُنہ دیکھنے لگی۔ لڑکیوں کو چُہل سوجھی سر ہوگئیں کہ بہن تم بھی تو بتاؤ تم میں کیا وصف ہے۔ جب بہت تنگ ہوئی تو نیچی نظر کر کے بولی "بہن مجھ میں کوئی بات ہو تو کہوں نانی اماں کہتی ہیں کہ جس وقت میں پیدا ہوئی تھی کسی نجومی نے کہا تھا کہ اس لڑکی کے ہاں دو جڑواں بچے پیدا ہوں گے۔ ایک لڑکا ایک لڑکی۔ لڑکے کے ماتھے پر چاند ہوگا اور لڑکی کی ٹھوڑی پر تارا۔

اتفاق کی بات اسی وقت بادشاہ بھی ٹہلتا ہوا آپہنچا۔ اس نے جو دیکھا کہ چار خوبصورت خوبصورت لڑکیاں ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہیں۔ چھپ کر سُننے لگا۔ دل میں کُرید تھی۔ یہ باتیں جو سُنیں تو اچنبا سا ہوگیا۔ دولت کی تو کیا کمی تھی بادشاہ تھا۔ اولاد کے ارمان تھے۔ سوچا کہ یہ غیب کی آواز ہے۔ اس چوتھی لڑکی سے بیاہ کرنا چاہیئے۔ صورت شکل میں بھی پری ہے۔ اور سب سے زیادہ تو یہ کہ اولاد کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اپنے دل میں فیصلہ کر محل میں آیا۔ اور وزیر کو بلا کر ان لڑکیوں کی نسبت حالات معلوم کرنیکا حکم دیا۔ وزیر نے دو ایک ہی دن میں لڑکی کا کھوج نکال لیا اور حاضر ہو کر بادشاہ سے عرض کیا "جہاں پناہ! وہ ایک بہت ہی غریب محتاج بُڑھیا کی نواسی ہے۔ روٹی تک پیٹ بھر کر نصیب نہیں۔ مگر ہے کوئی شریف

اور لڑکی تو گدڑی کا لعل ہے۔

بادشاہ کو تو لڑکی کی لگی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً چوبدار بڑھیا کو پاس بھیجا۔ وہ ڈرتی ہانپتی کانپتی سفید چادر میں لپٹی ہوئی حاضر ہوئی۔ تخلیہ ہو گیا۔ بڑھیا سہمی ہوئی کھڑی تھی کہ بادشاہ نے کہا "بڑی بی! میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ کو اپنی دامادی میں قبول کرو۔" بڑھیا ہکّا بکّا رہ گئی۔ جواب دیتی تو کیا دیتی۔ جب بادشاہ نے زیادہ کہا تو بولی۔ لونڈی حاضر ہے لیکن خداوند بے ماں باپ کی یتیم لڑکی ہے اس کا بال بیکا ہوا تو عرش ہل جائیگا۔" بادشاہ نے بڑھیا کو تسلی تشفی دی۔ بات پکی ہو گئی۔ ادھر بڑھیا رخصت ہوئی اُدھر شہر میں غل مچ گیا۔ ہزار منہ ہزار باتیں۔ طرح طرح کی خبریں اُڑنے لگیں۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ سب کو حیرت تھی کہ بادشاہ کیا دیکھکر ایک فقیرنی پر ریجھے ہیں دُنیا بھر کی شہزادیاں کیا اڑ گئی تھیں۔

مثل مشہور ہے کہ نکلی ہونٹوں اور چڑھی کوٹھوں۔ یہ خبر محلات میں پہنچی۔ دوسری بیگموں نے جو سُنا تو پتہ بھر ہو گئیں کہ اللہ اموری کی اینٹ بھی اب چوبارے چڑھنے لگی۔ بادشاہ کا دل تو نہیں اُلٹ گیا۔ ایک بھک منگی ہماری سوکن بن کر آئے گی۔ خیر جاتی کہاں ہے۔ کوسی اڑانی بنا کر نہ نکالی ہو تو نام نہیں۔ یہ چھوڈن بادشاہزادیاں تو یہاں اپنے تیہے میں کھولتی رہیں۔ وہاں غریب زادی کے بھاگ کھل رہے تھے نکاح کا دن مقرر ہو گیا۔ برات چڑھی۔ شادی ہوئی اور چرخہ کاتنے

والی بڑھیا کی نواسی بادشاہ کی ساتویں ملکہ بن کر محل میں آ براجی۔

خدا کی شان ایک دن محل میں خبر اڑی کہ بڑھیا کی نواسی کا پیر بھاری ہے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے لڑکا یا لڑکی۔ اس خبر سے اب بادشاہ کی خوشی اور سوکنوں کے جلاپے کا کیا پوچھنا۔ جتنا بادشاہ کا اس سے چاؤ بڑھتا دوسری بیگمیں جلی مرتیں۔ بچہ ہونے کے دن بالکل قریب تھے کہ اچانک بادشاہ کو ایک مہم پیش آ گئی۔ بغیر جائے چارہ نہ تھا مجبوراً جانا پڑا۔ جاتے وقت وہ اپنی ساتویں ملکہ کے پاس آیا اور کہنے لگا "جی تو نہیں چاہتا کہ تم کو سوکنوں میں اکیلا چھوڑ کر جاؤں سلطنت کے کام ہیں جانا بھی ضروری ہے۔ ذرا ہوشیاری سے رہنا۔ بچہ پیدا ہو تو پوری نگرانی کرنا۔ لو یہ چاندی کی گھنٹی ہے۔ اسے اپنے پاس رکھو۔ جب بچہ پیدا ہونیکا وقت آئے اس کو بجا دینا۔ میں جہاں بھی ہوں گا خدا نے چاہا فوراً آ جاؤں گا۔ لیکن یاد رکھنا کہ جھوٹ موٹ گھنٹی نہ بجانا۔ اچھا خدا حافظ!"

بُرے دن کہہ کر نہیں آیا کرتے۔ بادشاہ کو گئے ہوئے دوسرا ہی دن تھا کہ چھیوں سوکنیں ایکا کر کے بڑھیا کی نواسی ملنے آئیں باتیں کرتے کرتے جو گھنٹی پر نظر پڑی۔ پوچھنے لگیں "بوا! یہ کیا کھلونا ہے۔ جھنجھنا بجانے کی تمہاری عادت ابھی گئی نہیں!" اور سب نے مل کر غریب کو ایسا الٹا سیدھا لیا کہ اس نے گھنٹی کی ساری حقیقت کہہ دی۔ یہ سنتے ہی چھیوں نے خوب قہقہے لگائے۔ "بیوقوف بنایا کہ!" بُوا!

خدا کو دیکھا نہیں تو کیا عقل سے بھی نہیں پہچانا۔ ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے۔ اس موئی اتنی سی گھنٹی کی آواز محل کے باہر تک تو جانے سے رہی۔ وہ خدا جانے کتنے دن کے رستہ پر ہوں گے ان تک پہنچے گی۔ بھئی خوب رہی۔ ہمارے حضور نے بیچاری کو کیا دم دیا ہے۔" ایک بولی "بہن۔ ان کا مطلب کچھ اور ہوگا۔ ان کی سمجھ میں یہ آیا۔" دوسری کہنے لگی "بوا۔ اتنا بڑا بادشاہ ہنسی تو کرنے سے رہا۔ یہ بھی اتنی بھولی نہیں کہ وہ کچھ کہیں یہ کچھ سمجھیں۔" تیسری نے کہا "جاؤ بھی ایسی بھونڈی سمجھ خدا کسی کو نہ دے۔ ارے بی گھنٹی نہ ہوئی جادو کا پتلا ہوئی کہ یہاں بجی اور وہاں بادشاہ کا دل ہلا۔" چوتھی بولی "تم نے تو ذرا سی بات کا طومار باندھ دیا۔ ایک دفعہ بجا کر ہی کیوں نہ دیکھ لو۔ سب جھوٹ سچ کھل جائیگا۔"

بھولی بھالی لڑکی شاہزادیوں کی باتوں میں آگئی۔ بادشاہ کا منع کرنا یاد نہ رہا۔ اور دل میں سوچ کر کہ واقعی آزمانا تو چاہیئے گھنٹی بجادی۔ گھنٹی کو بجے کوئی دس منٹ ہوئے ہوں گے خبر آئی کہ بادشاہ تشریف لے آئے۔ وہ چھوں کی چھوں تو چپکے سے اپنے اپنے محلوں میں چلی گئیں۔ بادشاہ نے جو آکر دیکھا تو بجنے ہونے کا ابھی سان گمان بھی نہیں۔ بہت بگڑا۔ خفا ہوا کہ یہ کیا حماقت تھی۔ منزل پہنچکر آرام بھی نہ لینے پایا تھا کہ اُلٹے قدموں آنا پڑا۔ بڑھیا کی بیٹی کانپ گئی۔ بولی۔ مجھ کو یقین نہیں آتا تھا کہ آپ تک اس ننھی سی گھنٹی

کیونکر پہنچے گی۔" بادشاہ نے کہا "خیر۔ اب تو یقین آگیا۔ دیکھو پھر اگر تم نے بے سبب گھنٹی بجائی تو اچھا نہیں ہوگا۔ عمر بھر پچھتاؤ گی۔"

دو چار دن ٹال کر پھر وہ بہنیں ایک ایک کر کے جمع ہوئیں۔ اور پھر وہی گھنٹی کا قصہ چھڑ گیا۔ کوئی کہتی ایسی ننھی آواز پہنچ ہی گئی ہو۔ تم کو یقین آگیا ہوگا۔" کوئی کہتی "کہیں پاس ہی ہوں گے۔ کوئی کام نکل آیا۔ آ گئے۔ گھنٹی نہ ہوئی اسرافیل کا صور ہوا۔" ایک جو سب کی استانی تھی بولی "بہن۔ اب کے اور گھنٹی بجا کر دکھا دو۔ انھیں یقین ہی نہیں آتا۔ کہیں ان کے منہ پر خاک تو پڑے۔" وہ بیچاری ڈری ہوئی تھی۔ بہتیرا انکار کیا۔ روٹھی ہو ہو گئی۔ مگر کہاں ایک کہاں اتنی۔ شیطانیوں کے بہکائے میں آگئی۔ گھنٹی کا بجنا تھا کہ بادشاہ کی سواری کے آنے کا غل مچا۔ جس میں چنگی ڈال جما لو دُور کھڑیں چھیوں شہزادیاں تو پہلے کی طرح آہٹ پاتے ہی سٹک گئیں۔ اس نگوڑی کا سہم کے مارے بُرا حال ہوا۔ بادشاہ کو جو دیکھا تو مُنہ فق۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ اِدھر بادشاہ جو بھری کچہری میں سے اٹھ کر اور سارے ضروری کام چھوڑ گھبرایا ہوا چلا آیا تھا یہ معلوم کر کے کہ پھر میں تماشا بنایا گیا ہوں۔ بچہ ہونا ہوا نا کیسا۔ آگ بگولا ہو گیا۔ آئے تو جائے کہاں۔ ہرچند پوچھا کہ "بدنصیب۔ میرے منع کرنے کا بھی تجھ پر اثر نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ تو خیر۔ دوسری دفعہ کیوں گھنٹی بجائی شامت کی ماری ایسی سٹی گم ہوئی کہ اصلی بات نہ کہی۔ اتنا مُنہ سے نہ پھوٹا

کہ سارے کو تک میری سوکنوں کے ہیں۔" اولاد کا چاؤ تھا۔ اور تو کیا کرتا جھینک پیٹ کر واپس چلا گیا۔ اور کہتا گیا کہ "اب اگر تو بجاتی بجاتے گھنٹی کو توڑ بھی دے گی تو میں نہیں آؤں گا۔ میں سمجھ گیا تو کسی کے بہکائے میں آ گئی ہے۔ تیری قسمت ہی خراب ہو تو میں کیا کروں۔ اب بیٹھی اپنے کیے کو بھگت۔

صبح شام میں بچہ ہونیوالا تو تھا ہی۔ صبح بادشاہ روانہ ہوئے اور شام کو بچہ ہونے کے آثار شروع ہوئے۔ بڑھیا کی نواسی کا کون تھا جو اس کی دیکھ بھال کرتا۔ محل کا بچہ بچہ سوکنوں کا طرفدار۔ ایک بادشاہ دموں دیوانے۔ وہ بھی خفا۔ اور منزلوں دور۔ چھیوں بیگمیں آ بیٹھیں ظاہر میں اللہ آمین کر رہی تھیں اور دلوں میں دشمنی کے سامان تھے۔ بڑھیا کی نواسی نے گھنٹی بجائی مگر بادشاہ کب سنتا تھا۔ یہاں تک کہ بجاتے بجاتے گھنٹی ٹوٹ گئی اور بادشاہ نہ آیا۔ جب وہ بادشاہ کے آنے سے مایوس ہو گئی اور شہزادیوں نے جان لیا کہ اب بادشاہ نہیں آئیں گے تو انھوں نے کہا کہ بیوی ہمارے ہاں کا دستور ہے کہ جب کسی محل میں بچہ ہونیکو ہوتا ہے تو زچہ کی آنکھوں سے پٹی باندھ دیتے ہیں۔ اور شہزادیوں کے سوا کسی کو آنے نہیں دیتے۔" وہ غریب اپنی مصیبت میں تھی۔ دوسرے جھونپڑے کی رہنے والی محلوں کا رواج کیا جانے۔ جیسا کہا کر لیا۔ دائی کو پہلے سے سانٹھ ہی لیا تھا۔ بچے پیدا ہوتے ہی غائب کر لیے۔ اور ٹھوڑی تارا ماتھے چاند والے لڑکی لڑکا

کے بدلے کُتیا کے دو پلے منگا کر غل مچا دیا کہ بُوا کیسی عورت ہے جس کے ہاں آدمی کے بچوں کی جگہ کتے کے پلے ہوئے ہیں۔" آنکھوں سے ہی جو کھولی وہ بیچاری بھی بک دھک رہ گئی۔ مرتے کو ماریں شاہ مدار ایک تو تکلیف سے نڈھال تھی اوپر سے یہ آفت آئی کہ بچے ہوئے تو کتے کے۔

آٹھویں دن بادشاہ سلامت بھی آ گئے۔ لاکھ ناراض سہی لیکن دل میں شاد شاد تھے۔ کہ خدا نے یہ دن دکھایا کہ اندھیرے گھر میں ایک چھوڑ دو چراغ جلے۔ ہنستے ہوئے محل میں پہونچے۔ چاروں طرف سناٹا پایا۔ حیران تھے کہ یہ اُداسی کیسی۔ نہ نوبت ہے نہ شادیانے۔ جس سے پوچھا اس نے سر جھکا لیا۔ زچہ خانہ میں جا کر دیکھا تو عجب تماشا تھا۔ کیسے بچے۔ کہاں کا ٹھوڑی پہ تارا اور ماتھے پر چاند۔ کتے کے پلے کوں کوں کر رہے ہیں۔ بیگم بادشاہ کو دیکھ کر رونے لگی۔ اتنے میں دوسری شہزادیاں آ گئیں۔ خوب جلے پھپولے پھوڑے " دیکھا اپنی پرستان کی پری کو۔ یہی بچے ہیں نا جن کے ماتھے چاند اور ٹھوڑی تارا ہے۔ بُرا نہ مانئے۔ ہم تو جانتے ہیں یہ کوئی چڑیل ہے۔ کہیں آدمی کے ہاں بھی کتے کے پلے ہوتے ہیں"۔ یکایک جو امید دل پر پانی پھرا۔ ادھر شہزادیوں کی طعنے سُنے اور آنکھوں سے کتے کے پلے پڑے ہوئے دیکھے۔ غصہ میں لال ہو گیا۔ حاکم کے مزاج کو کون سنبھالے۔ حکم دیا۔ اس کتیا کو ابھی محل سے نکال دو۔ چوٹی کاٹ لو۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن کر پھٹا ہوا بانس لے کر

دے دو۔ سارے دن شہر میں کوّے اُڑاتی پھرے۔" بادشاہ کا حکم کون ٹالتا۔ فوراً بیچاری کو نکال دیا۔ سر مونڈ ڈالا۔ ٹاٹ کی کفنی گلے میں۔ بانس ہاتھ میں دن بھر کوّے اڑاتی پھرتی۔ لوگ دیکھتے کوئی ہنستا کوئی افسوس کرتا۔

یہاں تو یہ رہی۔ بچوں کی سُنو کہ دائی نے جب گھر آکر انھیں دیکھا تو آنکھیں کھُلی کی کھلی رہ گئیں۔ دل کانپ گیا کہ ایسی پیاری پیاری جانوں کو کیونکر مارا جائے۔ مگر شاہزادیوں کے غضب سے بھی ڈرتی تھی۔ دیر تک سوچتی رہی۔ کبھی کنویں میں ڈالنے کا ارادہ کیا۔ کبھی خیال کیا کہ کسی ٹوٹی ہوئی قبر میں چھپا دے۔ بے دودھ مر کر رہ جائیں گے۔ کبھی دریا میں بہا دینے کی سوجھی۔ بُرے کام میں وہم ہی وہم آتے ہیں۔ دل میں دھکڑ پکڑ لگی۔ آخر یہ ترکیب سمجھ میں آئی کہ گودڑ میں رکھکر پھونک دوں۔ ذرا سی دیر میں جل کر راکھ ہو جائیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔ دل ہارئی ایسا کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ پھر کیا کرے۔ ایکا ایکی کسی خیال سے چونکی پچھواڑے کمہار رہتے تھے اور ان کے ہاں آوا چڑھتا تھا۔ سوچا کہ دن گذار کر جس وقت جھٹ پٹا ہو آنکھ بچا کر آوے کے کسی مٹکے میں رکھ دوں صبح تک ان کا نشان بھی نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ آوا تیار تھا۔ آگ دینے کی دیر تھی۔ یہ دبے پاؤں گئی اور چپکے سے ایک مٹکے میں دونوں بچوں کو ڈال آئی۔

جس کو خدا رکھے اسے کون چکھے۔ کمہار اور کمہاری تھکے ہارے ذرا

دم لینے کو لیٹے تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ ایسے بے خبر ہو کر سوئے کہ آوے
کو آگ بھی نہ دی۔ سویرے گجر دم جو کمہار اٹھا تو آوے کو ٹھنڈا دیکھ کر
کمہاری سے لڑنے لگا: "اری میں تو اونگھا ہی تھا تجھے بھی سانپ سونگھ
گیا۔ نہ مجھے اٹھایا نہ آپ اٹھی۔ دیکھ تو دیدے پھوٹی آوا ٹھنڈا پڑا ہے
اب جو گاہک آئیں گے وہ کس کی جان کو روئیں گے۔ کوتوال کو مٹکے
دینے تھے وہ تو جان بھی لیکر نہیں چھوڑیگا۔ لڑتے جھگڑتے دونوں
کھپریل سے باہر نکلے آوے کے پاس جاکر دیکھا تو بے آگ دیئے آوا
تیار ہے۔ سارے برتن پک کر لال ہو گئے ہیں۔ آنچ بھی ایسی اچھی لگی
ہے کہ نہ کوئی چٹخا ہے نہ کسی میں کالے دھبے آئے ہیں۔ حق حیران
دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

دل میں سوچتے تھے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ ایسا تو دیکھا نہ سنا۔
کمہاری اس اچنبے کی بات سے ڈرتی بھی جاتی تھی کہ ایک راجن گول میں سے
ہواں ہواں کی آواز آئی۔ پہلے تو بے اوسان سی ہو گئی۔ کمہار کو پکارا
کہ "اجی سنتے بھی ہو۔ یہ بچوں کے بلکنے کی آواز کیسی آرہی ہے۔ میرے
تو پران نکلے جارہے ہیں"۔ کمہار کے بھی اوسان جاتے رہے۔ پھر جی
کر کے دونوں آگے بڑھے۔ گول میں جو دیکھتے ہیں تو دو چاند کے ٹکڑے
پڑے انگوٹھا چوس رہے ہیں۔ انھیں اللہ نے سب کچھ دے رکھا
تھا لیکن اولاد نہ تھی۔ دونوں کے دونوں نہال ہو گئے کہ بویا نہ جوتا
اللہ نے دیا پوتا۔ ایک چھوڑ دو دو۔ اور ایسے بھاگوان جن کی جوت سے

آدا بے آگ کے پک گیا۔ جلدی سے دونوں بچوں کو نکال چھاتی سے لگا کھپریل میں آئے۔ کمہاری ماتھے پر پٹی باندھ جلدی سے پلنگ پر لیٹ گئی۔ بچے آگئے لٹا لیئے۔ کمہار چپکے چپکے زچہ خانہ کا سارا سامان لے آیا۔ پاس پڑوس کی عورتوں کو خبر ہوئی۔ ایک آتی ہے " اری کلو کی بہو تو تو بڑی کوئی ہے۔ ہمیں بھی خبر نہ کی۔ دوسری کہتی ہے " بھینا ہمیں تو سان گمان بھی نہ تھا۔ یہ تو بڑی پوری نکلی۔ اور دیکھو یا تو چوہے کا بچہ بھی نہیں ہوتا تھا یا ہوئے تو ایک دم دو۔ اللہ کرے جیتے رہیں۔ ماں کی ممتا ٹھنڈی رہے (بچوں کو دیکھکر) ہے ہے کیسے ملوک ہیں۔ ایسے دکھتے ہیں جیسے پریوں کے بچے " محلہ بھر میں اودھم مچ گئی۔ ایک آتا تھا ایک جاتا تھا۔ دو چار دن کا سوانگ تھا ختم ہوگیا۔

بچے کمہاری کی گود میں پلنے لگے۔ دانت نکلے۔ گھٹنیوں چلے۔ دودھ چھٹے۔ یہاں تک کہ دونوں بہن بھائی پیروں چلنے کے قابل ہوئے۔ میلے ٹھیلے میں سودا سلف کیلئے جب کمہار جاتا دونوں کو ساتھ لے جاتا۔

کمہار کالا دھینورا اور بچے چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ جو دیکھتا تعجب کرتا۔ امیر ہو یا غریب۔ اچھا ہو یا برا موت کو کسی پر ترس نہیں آتا۔ یہ دونوں کوئی بارہ بارہ سال کے ہونگے کہ کمہار بیمار پڑا۔ آٹھ ہی دن میں کھٹیا سے لگ گیا۔ جینے کی آس نہ رہی تو بیوی سے بولا " میرا اب آخری وقت آگیا ہے۔ میری بات مانیو۔ ان بچوں کا

کا دل میلا نہ ہو۔ نہ معلوم کس کے لال ہیں۔ ہمارے ایسے بھاگ کہاں تھے۔ اللہ کی مہربانی سے دھن دولت سب کچھ ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں دیکھیو انھیں کوئی دُکھ نہ ہونے پائے"۔ کمھاری یہ سن کر رونے لگی۔ مگر آئی ہوئی نہ رونے سے ٹلتی ہے نہ ہنسنے سے۔ کمھار مر گیا۔ کمھاری کو بڑا رنج ہوا۔ پچاس برس کا ساتھ چھوٹا۔ بچوں کے خیال سے کہ وہ نہ کڑھیں چلا کر رو نہیں سکتی تھی۔ اندر ہی اندر گھٹنے لگی۔ اور پندرہ دن بھی نہیں گذرے تھے کہ وہ بھی ڈھیر ہو گئی۔ ایسی پڑی کہ مر کر ہی اٹھی۔

کمھار اور کمھاری کے مرنیکے بعد ان بچوں کا کمھاروں میں کیا دل لگتا۔ برتن بنانے نہ انھیں آتے تھے نہ یہ کام ان کے بس کا تھا۔ کھپریل کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ چاروں طرف برتنوں کے انبار بُرے معلوم ہوتے۔ کمھار کی اولاد ہوتے اور بات تھی۔ دونوں نے صلاح کر کے گھر بار۔ کاٹ کباڑ۔ برتن بھانڈا سب بیچ ڈالا اور کمھاری کی گڑھی دبی جمع پونجی لے ایک اچھے بھلے مانسوں کے محلّہ میں ایک مکان خرید رہنے لگے۔ لڑکا جب باہر نکلتا اس کے ماتھے پر چاند دیکھکر لوگ ٹھہر جاتے۔ کسی نہ کسی بہانے سے اس کا حال پوچھتے۔ آخر تنگ آ کر اس نے گھر سے نکلنا کم کر دیا۔ نکلتا بھی تو سر پر پگڑی باندھ کر نکلتا کہ ماتھا چھپ جائے اور چاند نہ دکھائی دے۔ لیکن مرد ذات سیر سپاٹے کے بغیر کیونکر رہ سکتا تھا۔

بڑھیا کی نواسی جس دن سے محل سے نکالی گئی تھی اس کا یہی کام

تھا کہ بالس لئے بازاروں میں کوتے اڑاتی پھرے۔ یہ لڑکا اس کے سامنے سے گذرتا تو وہ ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھا کرتی۔ جہاں تک نظر کام کرتی اس کا پیچھا نہ چھوڑتی۔ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تو دل مسوس کر رہ جاتی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ لڑکا کون ہے اور کیوں اس بدنصیب کا دل اس کی طرف کھنچتا ہے۔ کبھی کبھی اس کے دُودھ کا اُبال اُسے دیوانہ بنا دیتا اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگتی۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ ایک دن لڑکا اُدھر سے گذرا تو وہ اس کے پیچھے ہولی۔ گھر دیکھ لیا اور اس تاک میں رہی کہ اندر جا کر اس کا حال معلوم کرے۔ لیکن لڑکا اس پھرتی سے اندر جا کر دروازہ کی کنڈی لگا لیتا تھا کہ وہ دیکھتی کی دیکھتی رہ جاتی تھی

شہر سے یہ اکتا گیا اور لوگوں کی پوچھ گچھ نے اس کا ناک میں دم کر دیا تو اس نے ایک گھوڑا خریدا۔ مچھلی کے جائے کو تیرنا کون سکھائے دو چار دفعہ گر پڑ کر سواری بھی آ گئی۔ اب یہ شہر کے باہر جنگل میں نکل جاتا صبح سے شام تک سیر کرتا پھرتا۔ رفتہ رفتہ شکار کی دُھن سمائی۔ اس شوق میں دُور دُور نکل جاتا۔ ایک روز خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہ بھی شکار کیلئے آیا ہوا تھا۔ ہرن سامنے آیا۔ دونوں نے گھوڑے ڈال دیئے کئی کوس تک دونوں نے پیچھا کیا۔ ہرن تو چھلاوہ ہو گیا۔ دونوں ایک درخت کے سایہ میں دم لینے کو رُک گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ لڑکے نے پگڑی اتار کر ہوا کھانی چاہی۔ بادشاہ کی جو نظر پڑی تو ماتھے پر چاند۔ دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ محبت نے اندر ہی اندر جوش مارا۔ چاہتا تھا کہ بڑھ کر

Anjuman Taraqqi Urdu (Hind) LIBRARY

گلے لگائے کہ لڑکا گھوڑے کو ایڑ لگا یہ جا وہ جا۔

بادشاہ نے بہتیرا چاہا کہ اس کو روکے اور اس کا حال پوچھے مگر وہ کب رکتا تھا۔ ایک بجلی تھی کہ کوند کر غائب ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سوچا ہو نہ ہو یہ اسی بڑھیا کی نواسی کا لڑکا ہے۔ ماتھے پر چاند اور کس کے ہوگا۔ باغ میں جو اس لڑکی کی زبانی پیشین گوئی سنی تھی یاد آ گئی۔ کلیجے پر سانپ لوٹنے لگے۔ سمجھا کہ میرے ساتھ کوئی چال ہوئی۔ ضرور جُڑواں بچے ہوئے ہوں گے۔ شہزادیوں نے دغا دی۔ اسی سوچ میں پریشان گھر آیا۔ اور لڑکے کی تلاش شروع کی۔ خود بھی روز بلا ناغہ شکار کے بہانے جنگل جنگل مارا مارا پھرتا اور گھنٹوں ایک ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو کر چاروں طرف نگاہیں دوڑاتا رہتا۔ شدہ شدہ شہزادیوں نے بھی سن لیا کہ بادشاہ نے کوئی لڑکا ایسا دیکھا ہے جس کے ماتھے پر چاند تھا اور اب اس کی تلاش ہے۔ ان کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ اگر دائی نے انھیں زندہ چھوڑ دیا تو بڑا غضب ہوا۔ مُردار نے اپنے ساتھ ہماری بھی جان لی۔ اسی وقت دائی کو بلایا۔ اس نے لاکھوں قسمیں کھائیں کہ بیبیو! میں جھوٹ بولوں تو میرے دیدے گھٹنوں کے آگے آئیں۔ میں نے تو دونوں بچوں کو اسی دن رات سے پہلے کمہار کے آوے میں رکھ دیا تھا۔ ان کی تو راکھ بھی اڑ گئی ہوگی۔ یہ جوانا مرگ کوئی اور ہوگا۔ اچھا صبر کرو۔ آج ہی پتہ لگاتی ہوں۔ تم اتنی ہراساں کیوں ہوئی جاتی ہو۔

دائی ایک کٹنی تھی۔ آسمان پہاڑ کر تھگی لگاتی تھی۔ کھوج لگاتے لگاتے اس مکان پر جا پہنچی۔ جہاں یہ دونوں بہن بھائی رہتے تھے دکھیاریوں کی سی آواز بنا آواز دی۔ لڑکی اکیلی تھی، بھائی شکار کو گیا ہوا تھا۔ اس نے ترس کھا کر کنڈی کھول اندر بلا لیا۔ صورت دیکھتے ہی دائی کے ہوش جاتے رہے کہ واقعی یہ تو وہی لڑکی ہے۔ یا اللہ یہ کیونکر بچ گئے۔ آگ نے بھی انہیں نہیں جلایا۔ حیرت کے مارے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ لڑکی سمجھی کہ بیچاری کوئی مصیبت کی ماری ہے۔ پوچھنے لگی "بڑی بی! بھوکی ہو تو کھانا لاؤں" وہ کٹنی بولی۔ "واری کئی وقت کا فاقہ ہے۔ کوئی ٹکڑا دیدوگی تو اللہ تمھارا بھلا کریگا چلنے کی سکت بھی آجائیگی" لڑکی نے کھانا سامنے رکھا۔ وہ کھاتی جاتی تھی اور سوچتی جاتی تھی کہ اب کیا تدبیر کرے جس سے ان دونوں کا پاپ کٹے۔ ایک دفعہ ہی بلائیں لیکر بولی "بیٹی۔ تیری اس چاند سی صورت کے صدقے۔ کیا کہوں اگر ایک بات ہوتی تو بادشاہ سے بیاہی جاتی" لڑکی کہنے لگی: بڑی بی وہ کیا بات ہے" بڑھیا نے کہا "خدا رکھے تمھارا کوئی بھائی تو ہوگا"

لڑکی۔ ہاں۔ اللہ ان کو جیتا رکھے میرے ہی برابر ہیں۔

دائی۔ اے لو پھر کیا ہے۔ بیٹی بکاولی کا پھول وہ لا دے تو تمھارے چاند سے مکھڑے کو چار چاند لگ جائیں۔ بادشاہ دیکھتے ہی بیگم بنا لے۔

لڑکی۔ بی وہ پھول کہاں ہوتا ہے؟

دائی۔ قربان کچھ ایسا کالے کوسوں نہیں۔ سمندر کے اس پار ہوتا ہے کالی پہاڑی کے نیچے جھونپڑی میں جو فقیر بیٹھا ہے وہ سب بتا دے گا مگر یوں نہیں، اگر ملکہ بننے کو جی چاہتا ہے تو بھائی کے سر ہو جانا۔

دائی نے سوچا کہ پہلے بھائی کو ایسی جگہ بھیجو جہاں سے الٹا نہ آسکے۔ لڑکی کا کیا ہے۔ دیر تک باتیں بناتی رہی۔ بھولی بھالی لڑکی اس کے کہنے میں آگئی۔ دل میں ٹھان لیا کہ کچھ بھی ہو بکاولی کا پھول منگا کر چھوڑوں گی۔

دائی تو بہکا سکھا کر چمپت ہوئی۔ لڑکی پر جادو سا کر گئی۔ اس کے دل میں بکاولی کا پھول بس گیا۔ بھائی کے آتے ہی منہ پھلا لیا کہ جب تک بکاولی کا پھول نہ آجائیگا میں نہ ہنسوں گی نہ بولوں گی۔ میرے بھائی ہو تو پھول لادو۔ وہ غریب حیران کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ بکاولی کا پھول کیسا اور اتنی ضد کا کیا مطلب؟ لاکھ سمجھایا کہ تو اکسی دشمن نے تمہیں بہکا دیا ہے۔ ناحق ضد نہ کرو۔ اور خیر اگر یہی ضد ہے تو ہنسو بولو جس طرح بنے گا اور جہاں سے بنے گا تمہیں بکاولی کا پھول لا کر دونگا لیکن اس کا کچھ اتا پتا بھی ہے؟" بہن خوش ہو کر بولی "کالی پہاڑی کے نیچے جو فقیر رہتا ہے اس سے پوچھ لینا وہ سب بتا دیگا"

دوسرے دن لڑکا اپنی بہن سے رخصت ہو گھوڑے پر سفر کا سامان لاد روانہ ہوا۔ چلتے چلتے تاکید کرتا گیا کہ میرے آنے تک نہ کسی سے بات

کرنا نہ کسی کو گھر میں آنے دینا"۔ چھوٹی عمر۔ لق ودق جنگل۔ سفر کی انتہا معلوم نہیں۔ چلا جاتا تھا کہ تیسرے دن پہاڑی نظر آئی۔ ہر طرف دیکھا نہ کوئی جھونپڑی تھی نہ فقیر۔ بھوک سے بُرا حال تھا۔ ایک ہرن دکھائی دیا۔ شکار کیا۔ آگ جلا کر کباب لگانے۔ کھانے کو بیٹھا ہی تھا کہ طرح طرح کی ڈراونی آوازیں سنائی دیں۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو دیو اُچھلتے کودتے پھر رہے ہیں۔ ان کے سردار کی نگاہ جو لڑکے پر پڑی تو اس کی طرف آیا کہ بارہ اور بارہ چوبیس برس کے بعد ایک بھُنگا نظر آیا۔ لڑکا خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ کہانیوں میں سنا تھا کہ دیو بھانجے کا بڑا مان رکھتے ہیں۔ اتفاق سے یاد آ گیا۔ فوراً سلام کر کے کہا "ماموں جان سلام"۔ دیو نے کہا "خاک کھاؤں۔ دھول کھاؤں۔ اب کیا بھانجے کو کھاؤں"۔ کہو میرے لئے کیا لائے اور ادھر کس طرح آنا ہوا۔ لڑکے نے ہرن سارا کا سارا سامنے رکھدیا اور جب دیو اس کو چٹ کر گیا تو کہنے لگا "ماموں میں بکاولی کا پھول لینے آیا ہوں"۔ دیو پہلے تو بہت بھنّایا پھر کچھ سوچ بولا۔ پہاڑی کے اُدھر چلا جا۔ وہاں ایک بوڑھا دیو ملے گا۔ اگر اُسے تیری صورت پر رحم آ گیا تو کام بنا ہوا سمجھ لے۔ وہ میرا چچا ہے اس کے سامنے جائے تو دادا ابّا کہہ کر سلام کیجیو"

لڑکا آگے چلا۔ پہاڑی پار کی تھی کہ ایک بہت بڑا ہیبت ہیب کرتا ہوا دیو ملا۔ دوڑا کہ ہڑپ کر جائے۔ لڑکا جلدی سے بول اٹھا "دادا ابّا سلام"۔ دیو نے چلا کر کہا "ہا کمبخت۔ یہ پوتا کہاں سے نکل آیا۔ بھُنگا

بھی پیٹ میں نہ گیا۔ اچھا کیا چاہتا ہے "؟ لڑکے نے پوری داستان سُنادی کہ "ہم دو بہن بھائی ہیں۔ بہن کو کسی نے بکاولی کے پھول کا شوق لگا دیا ہے۔ اسی کی تلاش میں نکلا ہوں " دیو بولا " بیٹا۔ بکاولی کا پھول لانا بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ انسان تو انسان وہاں تک ایسا ویسا دیو بھی نہیں پہنچ سکتا " لڑکے نے کہا " دادا ابا پھول لئے بغیر میں لوٹوں گا نہیں جان جائے یا رہے " لڑکے کی ہمت دیکھکر دیو کہنے لگا " اچھا سنو۔ یہاں سے ایک دن ایک رات چلنے کے بعد ایک بڑا گھنا جنگل آئیگا۔ درختوں کی شاخیں اس طرح الجھی ہوئی ہونگی کہ سانپ بھی نہیں نکل سکتا۔ جب وہ جنگل آجائے اس کے پاس کھڑے ہو کر کہنا جنگل جنگل راستہ دے۔ راستہ ہو جائیگا۔ بے کھٹکے گذر جانا۔ جنگل کے آگے ایک بڑا دریا پڑیگا۔ نہ ناؤ ہوگی نہ ڈونگا۔ قریب پہونچو تو یہ ٹھیکری پھینک دینا۔ اور آنکھیں بند کر کے کود پڑنا۔ اب جو آنکھ کھولوگے تو ایک باغ دکھائی دیگا۔ وہی بکاولی کا باغ ہے۔ ہزاروں درخت ایک ہی قسم کے نظر آئیں گے۔ ان درختوں کے بیچ میں بکاولی کے پھول کا درخت ہے۔ آگے تم جانو تمھارا کام "۔ لڑکا ساری باتیں دل میں بٹھا۔ کمر باندھ دیو سے رخصت ہوا۔

لڑکا ماتھے کا چاند چمکاتا جنگل پار کر دریا میں کودتے ہی جو نکلا ہے تو سامنے باغ تھا۔ بہار آ رہی تھی۔ زرد زرد رنگ کے ہزاروں پھول کھلے ہوئے تھے۔ باغ کے بیچ میں سنگِ مرمر کی ایک بارہ دری تھی۔

مگر باغ سنسان نہ آدم نہ آدم زاد۔ پھرتے پھرتے ایک طرف جو پہنچا
تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک دالان میں پٹاپٹی کے پردے پڑے ہوئے
ہیں۔ اور سونے کی جڑاؤ مسہری پر ایک حسین عورت سو رہی ہے۔
سرہانے سونے کی اور پائینتی کی طرف چاندی کی چھڑی رکھی ہے۔
لڑکا حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ دیکھتے دیکھتے بے دھیانی میں اس
نے دونوں چھڑیاں اُٹھالیں۔ پھر جو کچھ خیال آیا تو جلدی سے چھڑیاں
رکھدیں۔ یہ دھیان نہ رہا کہ سرہانے کی چھڑی پائینتی اور پائینتی کی سرہانے
ہوگئی ہے۔ چھڑیوں کا بدلنا تھا کہ سونیوالی عورت کلمہ پڑھ کر اٹھ بیٹھی۔
اور ہکا بکا اِدھر اُدھر دیکھکر لڑکے سے کہنے لگی "تم یہاں کیسے آ گئے
اور مجھ کو کیوں جگا دیا۔ یہ تو بکاولی کا باغ ہے اور سات سو دیو اسکی
حفاظت کیلئے یہاں رہتے ہیں۔ فوراً بھاگ جاؤ نہیں تو تکا بوٹی
ہو جاؤ گے" لڑکے نے کہا "جو کچھ بھی ہو۔ اب تو میں یہاں آگیا۔
اچھا یہ تو بتاؤ تم کون ہو؟" عورت ٹھنڈا سانس لیکر بولی "میں بدنصیب
ایک بادشاہ کی بیٹی ہوں مکھنا دیو جو سب کا سردار ہے مجھ کو یہاں اُڑا
لایا ہے۔ میں اس کے قبضہ میں ہوں۔ جب وہ جاتا ہے ان سونے
چاندی کی چھڑیوں سے مُردہ بنا دیتا ہے۔ اور جب آتا ہے زندہ
کرلیتا ہے۔ اب ان دیووں کے آنیکا وقت قریب ہے۔ خدا کے
لئے جلدی کہیں چھپ جاؤ۔ انھوں نے دیکھ لیا تو نہ تمھیں زندہ
چھوڑیں گے نہ مجھے" لڑکے نے کہا "خدا نے چاہا تو ہمارا بال

بھی بیکا نہ ہوگا۔ تم کسی طرح اتنا پوچھ لو کہ بکاولی کا پھول کون سے ہے۔ اور مکھنا دیو کی موت کیونکر آئے گی۔ دیووں کی جان سُنا ہے کہ سات پردوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اتنے میں دُور سے ایسی آوازیں آنی شروع ہوئیں جیسے بادل گرجتے ہیں۔ عورت نے گھبرا کر کہا "لو اب میں لیٹتی ہوں۔ پائینتی کی چھڑی سرھانے اور سرھانے کی پائینتی رکھ کر جلدی سے پھولوں کے ڈھیر میں دبک جاؤ۔ موذی دیو آگیا۔

دیو آنے شروع ہوئے۔ سب کے آخر میں مکھنا دیو جھومتا جھامتا آیا۔ چھپرکھٹ کے پاس جا کر شہزادی کو اٹھایا۔ اور سوں سوں کر کے مانس گند مانس گند کہنے لگا۔ شہزادی جھلا کر بولی "تمھیں تو خواہ مخواہ وہم ہو جاتا ہے۔ یہاں پرندہ تو پر مار نہیں سکتا۔ انسان کہاں سے آیا۔ ایسا ہی ہے تو مجھ کو کھا جاؤ۔ روز کا پاپ تو کٹے۔ سب سے چھڑا کر تو اس ویرانے میں لا ڈالا ہی۔ پھر بھی صبر نہیں آتا۔" یہ سن کر دیو چُپ ہو گیا۔ قسم قسم کے میوے لایا تھا۔ دونوں نے مل کر کھائے۔ کھا پی کر دیو لیٹ گیا اور شہزادی رنجیدہ صورت بنا کر بیٹھ گئی۔ دیو نے پوچھا "آج کیا بات ہے۔ کسی نے کچھ کہا ہو تو زبان کاٹ دوں۔ ٹیڑھی نظر سے دیکھا ہو تو آنکھیں نکال ڈالوں۔" شہزادی جھوٹ موٹ کے آنسو بہا کر بولی "تمھارے ہوتے مجھے کون ہاتھ لگا سکتا ہے۔

رونا تو یوں آیا کہ سو دشمن سو دوست ۔ اگر خدانخواستہ کچھ ایسی ویسی ہو گئی تو میرا کیا حشر ہوگا ۔ تم تو آئی ٔ سے مرد گئے ہیں بے آئی مرد گئی دیو نے قہقہہ لگا کر کہا " میری موت کہاں ؟ " شہزادی نے تعجب سے پوچھا " تو کیا تم مردگے نہیں " دیو نے کہا " میری جان ایسی جگہ ہے جہاں فرشتہ بھی نہیں پہونچ سکتا " شہزادی بولی " جھوٹ نہ بولو ۔ کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ جاندار کہیں ہو اور جان کہیں ۔ اچھا بتاؤ کہاں ہے " جب تک یہ نہ جان لوں گی کہ تمھاری جان کو کوئی جوکھوں نہیں صبر نہیں آئیگا " دیو کہنے لگا " شہزادی ۔ میری موت صرف اسی شخص کے ہاتھ سے ہے جس کے ماتھے پر چاند ہوگا ۔ اوّل تو دُنیا کے پردے پر ایسا کوئی آدم زاد ہی نہیں ، جس کے ماتھے پر چاند ہو ۔ اگر پیدا بھی ہو جائے تو یہاں پہونچ ہی نہیں سکتا ۔ جنگل دریا اور دیووں کے غول اسی کب چھوڑتے ہیں ۔ پھر اگر کوئی ایسا قسمت کا دھنی ہے کہ ہر جگہ سے بچکر یہاں آ ہی پہونچا تو اُسے یہ کس طرح معلوم ہوگا کہ میری جان کہاں ہے "

شہزادی :۔ مجھے تو بتا دو کہ یہ ہراس جائے "

دیو :۔ دیکھو ۔ وہ جو سامنے درخت ہے جس میں کوئی پھول نہیں ۔ اس پر اگر کوئی میرا نام لیکر ہاتھ مارے گا تو اس کی جڑ کے پاس ایک حوض نکل آئیگا ۔ اس حوض کی تہ میں لوہے

کا ایک صندوق ہے۔ اس کے اندر صندوقچی۔ صندوقچی کے اندر ایک بھونرا۔ بھونرے میں میری جان ہے۔ درخت پر ہاتھ لگتے ہی مجھے خبر ہو جائے گی۔ اب اگر کسی نے اتنی جلدی کی کہ میرے آنے تک بھونرے کو نکال کر مسل ڈالا تو میں مر جاؤں گا اور اس درخت میں ایک پھول نکل آئیگا۔ وہی گلِ بکاولی ہے۔ لیکن بھونرے کو مسلنے میں اگر خون کی ایک بوند بھی زمین پر گری تو میرے جیسے ہزار دیو پیدا ہو جائیں گے اور اس کی خیر نہیں۔

شہزادی:۔ اب مجھے تسکین ہوئی۔

اگلے دن صبح ہوتے ہی دیو تو شہزادی کو مُردہ بنا اپنے لشکر کے ساتھ سیر و شکار کے لئے روانہ ہوا۔ اور لڑکا شہزادی کے چھپر کھٹ کے پاس آیا۔ سرھانے کی چھڑی پائینتی اور پائینتی کی سرھانے کی وہ اُٹھ بیٹھی۔ جو کچھ دیو سے باتیں ہوئی تھیں سُنائیں۔ شہزادہ خوش ہو گیا کہ میرے ہی ماتھے پر چاند ہے، اب میں اسے کب چھوڑتا ہوں۔ فوراً بے پھول کے درخت پر ہاتھ مارا۔ حوض ظاہر ہوا۔ درخت پر ہاتھ مارنا تھا کہ "لیجیئو۔ پکڑیو۔ چور آ گیا!" کا غل مچنا شروع ہوا۔ لڑکے نے جلدی سے غوطہ مار صندوق نکالا۔ اس میں سے صندوقچی نکلی صندوقچی کے اندر ڈبیہ تھی۔ اسے کھول بھونرے کو دونوں

ہتھیلیوں میں رکھ مسل ڈالا۔ بھونرا کیا مسلا گیا کہ قیامت ہی آگئی۔ ایسی ڈراونی آوازیں آئیں۔ ایسا اندھیرا چھایا۔ ایسی بجلیاں کوندیں کہ شہزادی اور لڑکا دونوں دہل گئے۔ ڈر کے مارے آنکھیں بند کرلیں۔ خدا خدا کرکے آوازیں بند ہوئیں اور آنکھ جو کھولی تو ایک بدصورت دیو کی لمبی ہکاری لاش پڑی ہے۔ اور اس درخت میں ایک بڑا سا پھول کھلا ہوا ہے۔ باقی سارے درخت غائب ہیں۔ نہ باغ ہے نہ بارہ دری۔ ایک خشک تالاب میں شہزادی بیٹھی ہوئی ہے۔

پھول توڑا اور شہزادی کو ساتھ لے لڑکا چلنے کے لئے تیار ہوا۔ مگر جائے کدھر۔ طلسمی کارخانہ تو درہم برہم ہو چکا تھا۔ سامنے ایک پہاڑی دکھائی دی۔ اسی طرف چلا کہ شاید راستہ کا سُراغ ملے۔ پہاڑی کا پار کرنا تھا کہ سارا سماں ہی بدل گیا۔ اپنا گھوڑا چر رہا تھا۔ یہ تو وہی کالی پہاڑی تھی جہاں بکاولی کے باغ کے پہرہ دار ملے تھے۔ نہ جنگل کا کوئی نشان تھا نہ دریا۔ گھوڑے پر بیٹھ کر شہزادی کو اپنے آگے بٹھایا اور چلا چل شہر میں پہونچا۔ گھر آیا۔ بہن خوش ہوگئی کہ بھائی پھول تو پھول اپنے لئے چاند سی دُلھن بھی لے آیا۔

دو چار دن آرام لے کر یہ پھر شکار کو نکلا۔ خدا کی شان بادشاہ بھی شکار کے بہانے ماتھے چاند والے لڑکے کی تلاش

میں پھر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک بارہ سنگا بھی آ گیا۔ دونوں نے گھوڑے دوڑائے۔ لڑکے کی پگڑی ایک درخت سے اُلجھ کر گری۔ اُسے اٹھانے کے لئے گھوڑا روکا۔ ماتھے کا چاند چمکا۔ بادشاہ کی جو نظر پڑی۔ وہ بھی پاس آ گھوڑے سے اتر پڑا۔ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ محبت کے مارے بادشاہ بیتاب تھا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ ہاتھ پکڑ کر نام پوچھا۔ مکان کا پتہ دریافت کیا۔ اتنے میں بادشاہ کے ساتھی بھی آ گئے۔ بادشاہ اپنے محل کو۔ اور لڑکا اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

رات ہو گئی تھی۔ بادشاہ نے جوں توں کر کے کاٹی۔ صبح ہوتے ہی بادشاہ اکیلا گھوڑے پر سوار ہو ماتھے چاند والی لڑکے کے گھر پہونچا۔ لڑکا بادشاہ کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ گھر کے اندر لے جا کر بٹھایا۔ بڑی خاطر کی۔ ٹھوڑی تارے والی لڑکی کو جو دیکھا تو بادشاہ کا دل بے قابو ہو گیا۔ خون جوش مارنے لگا۔ جی چاہا کہ اُسے گلے سے لگا لے۔ لیکن مجبور تھا۔ پرائی لڑکی سے کیسے بات کرتا۔

شہزادی جو بکاولی کے باغ سے لڑکے کے ساتھ آئی تھی اس نے یہ ساری باتیں دیکھیں۔ دیو کے پاس رہتے رہتے اس نے ایک منتر ایسا سیکھ لیا تھا کہ جس کا چاہتی سارا اگلا

پچھلا حال معلوم کر لیتی۔ ماتھے چاند اور ٹھوڑی تارا والے بہن بھائی کے حالات بھی اسے معلوم ہو گئے تھے۔ اب جو اس نے بادشاہ کی یہ حیرانی دیکھی۔ سامنے آ ہاتھ باندھ کر عرض کیا "حضور! آپ پریشان نہ ہوں یہ آپ ہی کے بچے ہیں۔ بڑھیا کی نواسی کیلئے جو کسی نے پیشین گوئی کی تھی اس کا حرف حرف سچا تھا۔ ساتویں بیوی کے ساتھ آپ کی محبت دیکھ کر ساری شہزادیاں جل گئیں۔ اور جب اس کے ہاں بچہ ہونیکی خبر ان کو معلوم ہوئی تو ان کے حسد کا ٹھکانا نہ رہا۔ جو شرارت نہ کرنی تھی کی۔ یہ ان ہی کے کرتوت تھے کہ اس بیچاری سے دو دفعہ گھنٹی بجوائی۔ پھر جس وقت یہ بچے ہوئے تو انھیں غائب کر کے کُتیا کے پلّے رکھ دیئے اور اس غریب بے گناہ کی طرف سے آپ کا دل ایسا پھیرا کہ آپ نے اسے کوّے اُڑانی بنا دیا۔ دائی کے ہاتھوں بچوں کو مروانا چاہا۔ اس نے کمہار کے آوے میں انھیں رکھدیا۔ لیکن مارنے والے سے جلانیوالا قوی ہی کمہار آوے میں آگ دینی بھول گیا۔ صبح کو برتن بھی پکے پکائے تیار تھے۔ اور یہ بھی زندہ سلامت۔ کمہار نے انھیں اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا اور اب یہ جیتے جاگتے آپ کے سامنے ہیں۔ دنوں کی گردش تھی اللہ نے نکال دی۔"

یہ کہانی سن کر بادشاہ چیخیں مار کر رونے لگا۔ دونوں بچوں

کو گلے لگالیا۔ دونوں بھائی بہن بھی باپ کے گلے میں باہیں ڈالے دیر تک خوشی کے آنسو بہاتے رہے۔ دلوں کی بھڑاس نکل گئی تو بادشاہ ان تینوں کو ساتھ لے فوراً محل میں پہونچا اور جاتے ہی ادھر تو اپنی ساتویں بیوی کیلئے پالکی بھیجی کہ پوری عزت کے ساتھ سوار کرا کے محل میں لے آؤ۔ اور اُدھر جلادوں کو حکم دیا کہ ابھی ان چھ‌وں قطاماؤں کو جنگل میں لیجاؤ۔ اور آدھا زمین میں گاڑ کر ٹھوکتے تیروں اُڑادو۔ اس سے فراغت پا کر محل میں آیا۔ بیوی کے سامنے شرمندگی سے سر جھکا دیا۔ اپنی جلد بازی اور بے انصافی کی معافی مانگی۔ لڑکے کی بکاولی کے باغ والی لڑکی کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے شادی کر دی اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔ صبر کرنیوالوں کو صبر کا اور ظالموں کو ظلم کا پھل ملا جس طرح ان کے دن پھرے خدا سب کے دن پھیرے۔

ندیا کی کماری

ایک سپاہی تھا۔ بے اولادا۔ گھر میں بیوی جلا تن لڑاکا۔ دن بھر نوکری پر رہتا۔ شام کو گھر آتا۔ تھکا تھکایا۔ سکھ کے بدلے عورت سے دُکھ پہنچتے۔ اس لئے وردی اتار پھر نکل جاتا اور رات گئے آکر جو کچھ نیک بخت کھلاتی کھا کر پڑ رہتا۔ غریب کی مدتوں سے یہی عادت تھی۔

برسات کا موسم تھا۔ ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ یہ روزمرہ کیطرح ندی پر بیٹھ کر پانی کے جانوروں کی اچھل کود کا تماشا دیکھنے لگا۔ مچھلیاں تڑپ رہی تھیں۔ مینڈک پھدکیاں لگا رہے تھے کہ ایک مینڈکی پھدکتے پھدکتے اس کی گود میں آبیٹھی۔ سپاہی کو وہ بہت پیاری معلوم ہوئی۔ پیٹھ پر ہاتھ پھیرا دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا کہ "تم تو برکھا رانی ہو۔ چیز کھاؤ گی۔ میں اپنی برکھا کی رانی کو بڑا بڑا مال کھلاؤں گا۔ اچھا لو اب اپنے گھر جاؤ" یہ باتیں کر سپاہی نے مینڈکی کو چھوڑ دیا وہ اچھل پانی میں چلی گئی۔ یہ اپنے گھر آگئے۔

جس کی اپنی اولاد نہیں ہوتی وہ دوسروں کے بچوں سے آدمی کے بچے میسّر نہیں ہوتے تو جانور پال کر اپنا ارمان پورا کیا کرتا ہے۔ پھر سپاہی بیچارے کو قسمت سے نہ بیوی ایسی ملی تھی کہ نوکری کی مصیبت کے بعد کسی طرح راحت ملتی۔ نہ کوئی بچہ تھا کہ دل کا بہلاوا ہوتا۔ کتا۔ بلی

طوطا۔ مینا۔ بھیڑ۔ بکری پالتا تو بیوی کب چین لینے دیتی۔ پیٹ پیٹ کر کھا جاتی ندی کے کنارے الگ تھلگ مینڈکی کو خدا نے بھیجدیا۔ رات بھر اُس کا خیال رہا۔ نوکری میں بھی وہ بات یاد رہی۔ شام کو جو پلٹا تو راستہ میں سے نان نہاری۔ لونگ سپاری کھانے کی چیزیں اور ایک چھوٹی سی گڑیا کی اوڑھنی مول لی اور جلدی جلدی گھر آیا۔

وردی اتاری اور سب چیزیں رومال میں لپیٹ سیدھا ندی پر پہنچا۔ آواز دینی شروع کی "آؤ بی ندیا کی کماری۔ بیٹھو آکر گود ہماری۔ کھاؤ تم نان اور نہاری۔ خوب چباؤ لونگ سپاری۔ اوڑھنی اوڑھو بھاری بھاری" مینڈکی یہ آواز سن جھٹ ندی سے نکل آئی۔ اور پھدک کر سپاہی کی گود میں آبیٹھی۔ سپاہی نے اسے پیار کیا۔ اوڑھنی اڑھائی۔ نان نہاری کھلائی۔ لونگ سپاری چبانے کو دی۔ دیر تک مزے مزے کی باتیں ہوتی رہیں۔ رات ہونے کو آئی تو مینڈکی کو رخصت کر ٹہلتا ٹہلتا گھر چلا گیا۔

سپاہی کو ایک مشغلہ ہاتھ آگیا۔ نوکری سے آتا تو اپنی مینڈکی کیلئے کچھ نہ کچھ لیکر آتا۔ کپڑے اتارتے ہی دم لئے بغیر سیدھا ندی پر پہنچتا اور بڑی محبت سے پکارتا "آؤ بی ندیا کی کماری۔ بیٹھو آکر گود ہماری۔ کھاؤ تم نان اور نہاری۔ خوب چباؤ لونگ سپاری۔ اوڑھنی اوڑھو بھاری بھاری" مینڈکی اس آواز پر لگ گئی تھی سنتے ہی نکل آتی۔ سپاہی کی گود میں بیٹھکر کھلاڑیاں کرتی۔ یہ اُسے اوڑھنی اڑھا کر پیار کرتا۔ جو لاتا کھلاتا۔ خوش ہوتا اور جیسے کوئی اپنے لاڈلے بچے سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے یہ اپنی ندیا کی رانی سے باتیں

کرتا اور اپنے دل کا ارمان نکالتا۔

بیوی ایک تو پہلے ہی جل ککڑی۔ طینت کی بری تھی۔ بات بات پر میاں سے لڑتی رہتی۔ اب جو اس نے سپاہی کو نوکری سے گھبرائے گھبرائے آتے رومال میں کچھ چیز چھپائے ہوئے لاتے اور فوراً ہی گھر سے نکل جاتے دیکھا سانپ کی طرح پھنکارے مارنے لگی۔ بیوقوف نے یہ سمجھا کہ سپاہی نے کہیں دوسری شادی کرلی۔ اسی کیلئے روز سوغاتیں جاتی ہیں۔ دل میں کہنے لگی کہ میں بھی تو کہوں روز ندی پر بلا ناغہ جانا کیسا جب ہی کئی کئی مہینے سے گھر کی خبر نہیں لیتا۔ خیر جاتا کہاں ہے اور اس شقل کو تو مزہ ہی چکھادونگی۔"

اب یہ اس ٹوہ میں رہتی کہ کسی طرح اپنی سوکن کا پتہ لگائے اور پھر سپاہی سے بدلہ لے۔ چنانچہ ایک روز سپاہی جو ندی پر چلا یہ بھی دبے پاؤں پیچھے پیچھے ہولی۔ اور ایک درخت کی اوٹ میں چھپکر کھڑی ہوگئی کہ دیکھے میاں کے پاس کون آتا ہے۔ سپاہی انجان اس نے معمول کے مطابق آواز لگائی۔ دیکھا کہ ایک چھوٹی سی مینڈکی ندی سے نکلی اور سپاہی کی گود میں آبیٹھی۔ سپاہی نے رومال کھولا نان نہاری پان سپاری نکالی۔ اور بھی اوڑھا پیار کیا اور بچوں کی طرح اُسے کھلانے اور باتیں کرنے لگا۔

بیوی نے میاں کو مینڈکی سے محبت کرتے جو دیکھا تو جل گئی۔ اتنا نہ سوچا کہ جانور کا کیا سوکنا پا۔ غصہ میں بھری ہوئی گھر آئی۔ رات بھر حسد کے مارے بے چین رہی نہ میاں سے بات کی نہ اُسے روٹی ٹکڑا دیا۔ زیادہ تلملاہٹ یہ تھی کہ مینڈکی سے بدلہ لینے کا کوئی ڈھنگ نظر نہیں آتا تھا۔ آخر ایک بات نکالی سپاہی کے آتے

سے پہلے ندی پر پہونچی۔ اور جلتی ہوئی ایک لکڑی ساتھ لیتی گئی۔ سپاہی جس طرح آواز دیا کرتا تھا اسی طرح آواز دی۔ مینڈکی جانور ہی تو تھی آواز سن کر نکل آئی۔ جانا سپاہی آگیا۔ وہ بے زبان اچھل کر گود میں بیٹھنا چاہتی تھی کہ سپاہی کی بیوی نے جلتا ہوا سوختہ آگے کر دیا۔ مینڈکی بیچاری کی ٹانگیں جھلس گئیں۔ پھڑک کر ندی میں جا پڑی۔

احمق عورت مینڈکی پر اپنا زور دکھا۔ حسد کی آگ کو ندی کے کنارے بجھا گھر میں آبیٹھی۔ خوش تھی کہ کیسا بدلہ لیا۔ اتنے میں سپاہی آیا۔ جیسے روز جاتا تھا ندی پر گیا اور لہک لہک کر آواز لگانے لگا: "آ دبی ندیا کی کماری بیٹھو آکر گود ہماری۔ کھاؤ تم نان اور نہاری۔ خوب چباؤ لونگ سپاری۔ اوڑھنی اوڑھو بھاری بھاری"۔ اب مینڈکی کیا آتی۔ اس نے ندی کے اندر ہی اندر سے جواب دیا: "نہ آئیں ندیا کی کماری۔ نہ بیٹھیں گود تمھاری۔ نہ کھائیں نان نہاری نہ چابیں لونگ سپاری۔ آئی تھیں بیوی تمھاری۔ داغ گئیں ٹانگیں ہماری"۔ جلیبی ہو اکھائیے۔

سپاہی نے جو مینڈکی سے یہ سنا بہت افسوس ہوا۔ گھر آکر بیوی کو جتنا برا بھلا نہ کہنا تھا کہا کہ کمبخت تو نے یہ کیا کیا جانور سے کہاں کا بیر۔ گھڑی بھر دل کو بہلا لیا کرتا تھا تو نے میرا کھیل ہی بگاڑا۔ تیرے، انہی کرتوتوں سے تو خدا نے تجھے بے اولاد رکھا ہے۔ بدنصیب آخر تجھے کیا ملا۔

(اے۔ آئی۔ آر)

۳۰۹
۳۲۷
309

آپکے فائدے کی بات

اُردو علم و ادب کی خدمت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے اِس کتبخانے کو قائم کیا ہے۔ اُردو زبان کی تمام بیش بہا تصانیف اور گران قدر تراجم مشہور مصنفین کی علمی، ادبی، تاریخی کتابیں۔ تمام شعراء کے دواوین غرض ہر قسم اور ہر صنف کی کتابوں کا باقاعدہ انتظام کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ کو متعدد کتابوں کی ضرورت ہو تو آپ ہم سے طلب فرما سکتے ہیں۔ اِس طرح آپ مختلف کتبخانوں سے خط و کتابت نیز الگ الگ زائد محصول کی زیر باری سے بچ جائیں گے اور تمام کتابیں مجموعی صورت میں آپکو پہنچ جائیں گی۔

ادب اُردو سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے ہم نے متعدد فہرستیں شائع کی ہیں جنمیں تمام کتابوں کو مختلف عنوانوں کے ذیل جمع کردیا گیا ہے انمیں ہندوستان کے تمام اداروں، کتبخانوں اور پبلشروں کی مطبوعات شامل ہیں۔ لائبریریوں کیلئے تمام کتابیں باہتمام مہیا کی جاتی ہیں۔ اور خاص کمیشن بھی دی جاتی ہے۔

مینیجر کتب خانہ علم و ادب اُردو بازار جامع مسجد دہلی